OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 & ISSN (PRINT): 2707-1200
http://www.arjish.com

دورِ حاضر میں تصوف کی ضرورت واہمیت اور معاشرتی برائیوں کے خاتمے میں علمائے دیوبند کی اصلاحی فکر

The Need and Importance of Tasawwuf in the Contemporary Era and Its Role in Eliminating Social Evils

Dr. Waleed Khan
Lecturer Institute of Arabic & Islamic Studies, Govt College Women University Sialkot Pakistan
Email: waleedkhan764110.wk@gmail.com

Amanullah
PhD Scholar NCBA & E
Email: hajiamanullah65@gmail.com

Sana Maryam
Muslim Youth (MY) University Islamabad
Email: sanawaleed799@gmail.com

Received on: 10-01-2026 Accepted on: 15-02-2026

Abstract

Tasawwuf occupies an important place in the Islamic tradition as a discipline concerned with purification of the soul, reform of the heart, sincerity, self-discipline and moral character. In the contemporary world, material development has expanded rapidly, but societies continue to face serious moral and social problems such as dishonesty, greed, envy, intolerance, anger, family disputes, corruption, selfishness and disregard for the rights of others. These problems cannot be adequately addressed through external laws alone because many of their roots lie within the human personality. This article examines the need and importance of Tasawwuf in the contemporary era with particular reference to the reformative thought of the scholars of Deoband and especially Mawlana Ashraf Ali Thanawi. The study highlights the intellectual and spiritual connection between Haji Imdadullah Muhajir Makki, Mawlana Muhammad Qasim Nanautawi, Mawlana Rashid Ahmad Gangohi, Mawlana Ashraf Ali Thanawi and Mawlana Husayn Ahmad Madani. It argues that, in the thought of these scholars, Tasawwuf was not an isolated spiritual practice but a process of ethical reform under the guidance of the Qur'an and Sunnah. Special attention is given to Thanawi's emphasis on Shari'ah, self-purification, moral training, social etiquette, rights of people and practical reform. The article concludes that a balanced understanding of Tasawwuf can contribute to contemporary social reform by treating the inner causes of social evils and developing honesty, humility, patience, forgiveness, moderation, compassion and responsibility.

Keywords: Tasawwuf, Sufism, Tazkiyah, Mawlana Ashraf Ali Thanawi, Deobandi Scholars, Social Reform, Moral Education, Islamic Ethics

تعارف:

آج انسان نے سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں بہت ترقی کی ہے۔ سفر آسان ہوا، رابطے تیز ہوئے، معلومات ہر شخص کی دسترس میں آگئیں اور زندگی کے بہت سے کام پہلے کے مقابلے میں سہل ہو گئے۔ لیکن اس ترقی کے ساتھ ایک مسئلہ ایسا ہے جو بدستور موجود ہے بلکہ بعض پہلوؤں سے زیادہ نمایاں ہو گیا ہے، اور وہ انسان کے اخلاق اور باطن کی کمزوری ہے۔ آج جھوٹ، دھوکا، رشوت، خیانت، حسد، تکبر، غصہ، عدم برداشت، گھریلو ناچاقی، بدزبانی، قطع رحمی اور دوسروں کے حقوق پامال کرنا معاشرتی زندگی کے عام مسائل بن چکے ہیں۔ بہت سے معاملات میں قانون موجود ہے، سزا کا نظام بھی موجود ہے اور لوگوں کو برائی کے نقصانات کا علم بھی ہے، لیکن اس کے باوجود برائیاں ختم نہیں ہو رہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہر برائی کا مقابلہ صرف بیرونی قانون سے نہیں کیا جا سکتا۔ قانون انسان کو باہر سے روک سکتا ہے، لیکن دل کے اندر پیدا ہونے والی لالچ، حسد، کینہ اور تکبر کو صرف قانون کے ذریعے ختم کرنا آسان نہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں تصوف کی اصل اہمیت سامنے آتی ہے۔ تصوف اگر اپنے صحیح اسلامی مفہوم میں سمجھا جائے تو اس کا تعلق انسان کے باطن کی اصلاح، نیت کی درستگی، نفس کی تربیت، اخلاق کی تعمیر اور اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق پیدا کرنے سے ہے۔ قرآن مجید نے انسان کی کامیابی کو نفس کے تزکیے کے ساتھ جوڑا ہے۔ ارشاد ہے: "کامیاب ہو گیا وہ جس نے نفس کو پاک کیا اور ناکام ہوا وہ جس نے اسے آلودہ کیا۔" [1] اس آیت کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی اصلاح صرف ظاہری اعمال کی درستی کا نام نہیں بلکہ انسان کے اندر کی دنیا کی اصلاح بھی ضروری ہے۔

برصغیر میں علمائے دیوبند کی اصلاحی روایت میں تصوف کو اسی باطنی اور اخلاقی اصلاح کے ساتھ جوڑا گیا۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسے اکابر کے ہاں شریعت اور طریقت میں ٹکراؤ نہیں بلکہ باہمی تعلق نظر آتا ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تحریروں اور خطوط میں بھی تصوف اور روحانی اصلاح کی اہمیت واضح طور پر ملتی ہے۔ [2]

ان اکابر میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی شخصیت اس لحاظ سے خاص اہمیت رکھتی ہے کہ انہوں نے تصوف کو فرد کی اصلاح سے آگے بڑھا کر گھریلو، معاشرتی اور اخلاقی زندگی سے جوڑا۔ ان کی متعدد تصانیف میں باطن کی بیماریوں، اخلاق، معاشرتی آداب، حقوق العباد اور روزمرہ زندگی کی اصلاح پر گفتگو ملتی ہے۔ "شریعت و طریقت"، "تربیت السالک" اور "آداب معاشرت" اسی اصلاحی منہج کی مختلف جہتیں پیش کرتی ہیں۔

تصوف کا بنیادی مفہوم

تصوف کے بارے میں مختلف اہل علم نے مختلف تعبیرات اختیار کی ہیں، لیکن اس کی بنیادی روح میں تزکیۂ نفس، اصلاحِ قلب، اخلاص، ذکر، تقویٰ، اللہ تعالیٰ سے تعلق اور حسنِ اخلاق شامل ہیں۔ اس کا مقصد صرف مخصوص وظائف یا ظاہری لباس نہیں بلکہ انسان کے کردار کو بہتر بنانا ہے۔ کلاسیکی صوفیانہ روایت میں بھی تصوف کو اخلاقی اور روحانی تربیت کے ساتھ جوڑا گیا۔ قشیری کی "الرسالۃ القشیریۃ" میں توبہ، ورع، زہد، صبر، شکر، توکل، رضا، محبت اور اخلاص جیسے مقامات کا تفصیلی بیان ملتا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ تصوف کی بنیادی بحث انسان کے باطن اور اس کے رب کے ساتھ تعلق سے ہے۔ علمائے دیوبند نے بھی اسی وسیع مفہوم کو اختیار کیا۔ ان کے نزدیک تصوف شریعت سے الگ کوئی مستقل راستہ نہیں بلکہ شریعت کی روح کو دل میں پیدا کرنے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش ہے۔ اس لیے ان کی اصلاحی روایت میں فقہ، حدیث، تعلیم اور تصوف ایک دوسرے سے جدا امید ان نہیں بلکہ دینی زندگی کے باہم جڑے ہوئے حصے ہیں۔

علمائے دیوبند کی اصلاحی روایت میں تصوف

برصغیر کے دینی ماحول میں علمائے دیوبند کی تحریک کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ اس نے دینی علوم کے ساتھ روحانی تربیت کو بھی اہمیت دی۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اس سلسلے کی ایک مرکزی شخصیت تھے۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ان سے روحانی تعلق قائم کیا اور سلوک و تزکیہ میں ان سے استفادہ کیا۔[3]

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بھی اسی روحانی سلسلے کے اہم فرد تھے۔ ان کی علمی حیثیت ایک بڑے محدث اور فقیہ کی تھی، لیکن ان کے ہاں تصوف اور تزکیہ بھی واضح اہمیت رکھتے تھے۔ ان کے خطوط میں شریعت اور طریقت کو دو الگ دنیا سمجھنے کے بجائے دونوں کو انسانی تکمیل کے دو پہلوؤں کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اس روایت کا مطلب یہ تھا کہ عالم صرف کتاب کا آدمی نہ ہو بلکہ اس کے کردار میں علم کا اثر بھی ظاہر ہو۔ عبادت صرف ظاہری عمل نہ رہے بلکہ انسان کے اخلاق کو بھی بدل دے۔ یہی وہ تصور ہے جس نے بعد میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی اصلاحی فکر کو ایک مضبوط بنیاد فراہم کی۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی اصلاحی فکر

مولانا اشرف علی تھانویؒ برصغیر کے ان اکابر میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے تصوف اور اصلاح کو عام لوگوں کی عملی زندگی سے جوڑا۔ ان کے ہاں تصوف کوئی پیچیدہ فلسفیانہ موضوع نہیں بلکہ انسان کے روزمرہ رویوں کی اصلاح کا ذریعہ ہے۔ ان کی خانقاہ میں لوگ صرف ذکر و اذکار کے لیے نہیں بلکہ اپنے اخلاق، عادات، گھریلو معاملات اور باطنی کمزوریوں کی اصلاح کے لیے بھی رجوع کرتے تھے۔ ان کی کتاب "اشرف

الطریقۃ فی الشریعۃ والحقیقۃ"، جو "شریعت اور طریقت" کے نام سے معروف ہے، اسی تصور کی نمائندگی کرتی ہے کہ تصوف اور شریعت کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا تھانویؒ کی اصلاحی فکر کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ انسان کے باطن کی بیماری کو معاشرتی خرابی سے الگ نہیں سمجھتے۔ حسد صرف دل کی بیماری نہیں رہتا؛ وہ تعلقات خراب کرتا ہے۔ تکبر صرف ایک اندرونی صفت نہیں رہتا؛ وہ دوسروں کو حقیر سمجھنے کی شکل اختیار کرتا ہے۔ حرص صرف ایک خواہش نہیں رہتی؛ وہ انسان کو ناجائز کمائی، رشوت اور خیانت تک پہنچا سکتی ہے۔ اس لیے باطن کی اصلاح دراصل معاشرتی اصلاح کی بنیاد بن جاتی ہے۔

تزکیۂ نفس اور دورِ حاضر

موجودہ دور میں انسان کی خواہشات کو بڑھانے والے ذرائع بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔ اشتہارات، سوشل میڈیا، مقابلہ، نمود و نمائش اور مسلسل دوسروں سے موازنہ انسان کو یہ احساس دلاتے رہتے ہیں کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ کافی نہیں۔ ایسے ماحول میں قناعت اور شکر کی تربیت بہت ضروری ہے۔ تصوف انسان کو دنیا چھوڑنے کا درس نہیں دیتا بلکہ دنیا کی چیزوں کو ان کی اصل حیثیت میں رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ مال ہو تو انسان مال کا شکر ادا کرے، مگر مال اس کے دل کا مالک نہ بن جائے۔ عہدہ ہو تو وہ تکبر کا ذریعہ نہ بنے۔ علم ہو تو دوسروں کو حقیر کرنے کا سبب نہ بنے۔

یہی توازن آج کے دور میں بہت اہم ہے۔ انسان ترقی کرے لیکن ترقی کے ساتھ اخلاق بھی پیدا کرے۔ دولت کمائے لیکن حلال طریقے سے۔ شہرت ملے لیکن خود پسندی پیدا نہ ہو۔ یہی روحانی تربیت کی اصل ضرورت ہے۔

تصوف اور اخلاص

معاشرتی برائیوں کے بہت سے مسائل نیت کی خرابی سے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک شخص بظاہر اچھا کام کرتا ہے لیکن اس کا مقصد تعریف اور شہرت ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض لوگ خدمت کرتے ہیں لیکن اس خدمت کو اپنی بڑائی کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ تصوف کا ایک اہم مقصد اخلاص پیدا کرنا ہے۔ انسان یہ سیکھتا ہے کہ اصل قدر لوگوں کی تعریف میں نہیں بلکہ اللہ کی رضا میں ہے۔ اس احساس سے انسان کی شخصیت میں ایک اندرونی توازن پیدا ہوتا ہے۔ مولانا تھانویؒ کی اصلاحی تحریروں میں نیت، باطن اور اعمال کے اندرونی محرکات کی اصلاح کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ "امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق" بھی اخلاقی اور روحانی تربیت کے اسی منہج سے تعلق رکھتی ہے۔[4]

آج جب سوشل میڈیا نے دکھاوے کے مواقع بڑھا دیے ہیں، اخلاص کی یہ تعلیم پہلے سے زیادہ اہم معلوم ہوتی ہے۔ ہر نیکی کو دکھانا ضروری نہیں، ہر خدمت کی تصویر بنانا ضروری نہیں اور ہر اچھے کام کے بعد لوگوں سے تعریف کی توقع رکھنا بھی ضروری نہیں۔

تصوف اور تکبر کا علاج

تکبر بہت سی معاشرتی برائیوں کی جڑ ہے۔ جب انسان اپنے علم، مال، خاندان، عہدے یا کسی اور خوبی کی وجہ سے خود کو دوسروں سے بہتر سمجھنے لگتا ہے تو پھر دوسروں کے حقوق پامال ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ روحانی تربیت انسان کو اس احساس تک لے جاتی ہے کہ انسان کی اصل حیثیت بندگی ہے۔ اسے جو کچھ ملا ہے وہ اللہ کی عطا ہے۔ اس لیے وہ دوسروں کو حقیر سمجھنے کے بجائے ان کے ساتھ نرمی اختیار کرتا ہے۔ مولانا تھانویؒ کے اصلاحی منہج میں نفس کی بیماریوں کی شناخت اور ان کا عملی علاج نمایاں نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اصلاحی گفتگو صرف عبادت کے بارے میں نہیں بلکہ انسان کے مزاج، گفتگو، تعلقات، غصے، خواہشات اور معاشرتی رویوں کے بارے میں بھی ہے۔ موجودہ علمی تحقیق بھی تھانویؒ کے منہج کو تعلیم، تزکیہ، صحبت، اخلاق اور حقوق العباد کے مربوط نظام کے طور پر دیکھتی ہے۔[5]

حسد اور معاشرتی انتشار

حسد ایک ایسی بیماری ہے جو بظاہر دل کے اندر ہوتی ہے لیکن اس کے اثرات پورے معاشرے پر پڑتے ہیں۔ انسان دوسرے کی کامیابی برداشت نہیں کرتا، اس کی خامیاں تلاش کرتا ہے اور کبھی کبھی اسے نقصان پہنچانے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ سوشل میڈیا نے اس مسئلے کو مزید نمایاں کر دیا ہے۔ روزانہ لوگوں کی کامیابیاں، سفر، گھر، ملازمت، تقریبات اور آسائشیں سامنے آتی رہتی ہیں۔ اس ماحول میں بعض افراد اپنی زندگی کا موازنہ دوسروں سے کر کے بے اطمینانی کا شکار ہوتے ہیں۔ تصوف قناعت، شکر اور اللہ کی تقسیم پر اعتماد پیدا کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان ترقی کی کوشش چھوڑ دے، بلکہ وہ دوسرے کی نعمت دیکھ کر جلنے کے بجائے اپنی ذمہ داری اور اپنی صلاحیت پر توجہ دیتا ہے۔

حرصِ مال اور بدعنوانی

بدعنوانی، رشوت، خیانت، فراڈ اور ناجائز مالی فائدے کے پیچھے اکثر مال کی بے لگام خواہش موجود ہوتی ہے۔ قانون ان جرائم کو روکنے کے لیے ضروری ہے، لیکن ہر شخص کی نگرانی ہر وقت ممکن نہیں۔ اس لیے اندرونی نگرانی بھی ضروری ہے۔ تصوف انسان کے اندر آخرت کی جوابدہی کا احساس پیدا کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ دنیا میں کوئی اسے نہ بھی دیکھ رہا ہو، اللہ تعالیٰ اس کے عمل سے باخبر ہے۔ یہی احساس اسے تنہائی میں بھی گناہ سے بچنے کی کوشش کراتا ہے۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو تصوف معاشی زندگی کے لیے بھی اہم ہے۔ ایک روحانی طور پر تربیت یافتہ تاجر صرف یہ نہیں دیکھتا کہ اسے کتنا فائدہ ہوگا بلکہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ فائدہ حلال ہے یا حرام، کسی کا حق تو نہیں مارا جا رہا اور اس کے معاملے میں دھوکا تو نہیں۔

تصوف اور آدابِ معاشرت

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے معاشرتی اخلاق کو روحانی تربیت سے الگ نہیں کیا۔ "آداب معاشرت" میں دوسروں کے ساتھ اچھا برتاؤ، کسی کو تکلیف نہ دینا اور معاشرتی زندگی کے اصولوں کی پابندی کو دینی زندگی کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔[6] یہ نقطہ موجودہ معاشرے میں بہت اہم ہے۔ بعض لوگ عبادت کے معاملے میں محتاط ہوتے ہیں مگر گھر والوں، ملازمین، پڑوسیوں یا کمزور لوگوں کے ساتھ رویے میں سختی کرتے ہیں۔ دراصل دین کی اخلاقی روح اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب عبادت کا اثر انسان کے معاملات میں نظر آئے۔ اگر کوئی شخص مسجد میں نرمی سے بات کرتا ہے لیکن گھر میں بدزبان ہے، اگر وہ نفل عبادات کا اہتمام کرتا ہے لیکن ملازم کا حق روکتا ہے، یا اگر وہ مذہبی گفتگو کرتا ہے مگر دوسروں کی عزت کا خیال نہیں رکھتا تو اس کی روحانی تربیت ابھی مکمل نہیں ہوئی۔

غیبت، بدزبانی اور کردار کشی

موجودہ معاشرے میں غیبت اور بدزبانی نے نئی صورتیں اختیار کر لی ہیں۔ پہلے غیبت محدود مجلس تک رہتی تھی، اب سوشل میڈیا کے ذریعے کسی انسان کی کردار کشی ہزاروں لوگوں تک پہنچ سکتی ہے۔ روحانی تربیت انسان کو زبان کی حفاظت سکھاتی ہے۔ اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ زبان سے نکلا ہوا لفظ واپس نہیں آتا۔ کسی کی عزت کو نقصان پہنچانے والی بات صرف چند سیکنڈ کی بات نہیں بلکہ اس کے اثرات طویل ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا تھانویؒ کی اصلاحی تعلیم خاص اہمیت رکھتی ہے۔ ان کے ہاں معاشرتی آداب صرف تہذیبی اصول نہیں بلکہ دینی ذمہ داری ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اصلاحی کتابوں میں لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک، دل آزاری سے بچنے اور معاشرتی حقوق کی ادائیگی کو اہمیت دی گئی ہے۔

غصہ، تشدد اور عدم برداشت

آج گھریلو تشدد، معمولی بات پر جھگڑا، سڑکوں پر بدتمیزی اور سوشل میڈیا پر سخت زبان ایک عام مسئلہ بنتا جا رہا ہے۔ بہت سے تنازعات کی ابتدا معمولی ہوتی ہے لیکن غصے کی وجہ سے بڑا مسئلہ بن جاتی ہے۔ تصوف انسان کو اپنے نفس پر قابو پانے کی تعلیم دیتا ہے۔ صبر اور حلم کا مقصد یہ نہیں کہ انسان ناانصافی قبول کر لے بلکہ یہ ہے کہ وہ اپنے ردعمل کو عقل اور شریعت کے تابع رکھے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی اصلاحی روایت میں بھی سلوک کو محض ذکر کے معمولات کے بجائے باطنی تربیت اور شخصیت کی اصلاح سے جوڑا گیا۔ ان کے مکتوبات میں سلوک، ذکر اور روحانی اصلاح کی اہمیت نمایاں ہے۔[7]

یہی تربیت انسان کو غصے کے وقت رکنے، سوچنے اور مناسب ردعمل اختیار کرنے میں مدد دیتی ہے۔

تصوف اور حقوق العباد

اسلامی روحانیت میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں اہم ہیں۔ صرف عبادت کرنا اور لوگوں کے حقوق ادا نہ کرنا اسلامی اخلاق کی تکمیل نہیں۔

علمائے دیوبند کی اصلاحی روایت میں حقوق العباد کو خاص اہمیت حاصل رہی۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ نے سلوک کے مقصد کو احسان کے ساتھ جوڑا اور روحانی تربیت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقی تعلق اور کردار کی تعمیر سے مربوط کیا۔ ان کے خطوط میں سلوک کی اصل غرض احسان کے حصول کو قرار دیا گیا ہے۔[8]

اگر تصوف انسان کو اس مقام تک لے جائے کہ وہ دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے بچے، کسی کا حق نہ مارے، معافی مانگ سکے، ظلم سے بچے اور ضرورت مند کے ساتھ کھڑا ہو تو یہ تصوف معاشرے کے لیے مفید بن جاتا ہے۔

تصوف اور خاندانی زندگی

موجودہ دور میں خاندانی زندگی کو کئی طرح کے مسائل کا سامنا ہے۔ میاں بیوی میں عدم برداشت، والدین اور اولاد میں فاصلے، بھائی بہن کے تنازعات اور وراثت کے جھگڑے کئی گھروں کو متاثر کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں صبر، برداشت، درگزر اور حسنِ گفتگو بہت ضروری ہیں۔ یہ وہ اخلاق ہیں جنہیں روحانی تربیت کے ذریعے مضبوط کیا جا سکتا ہے۔ مولانا تھانویؒ کی اصلاحی فکر میں معاشرتی زندگی کے آداب محض رسمی باتیں نہیں بلکہ دینی زندگی کے لازمی حصے ہیں۔ اسی لیے ان کی تصانیف میں گھر، رشتہ داری، پڑوس، باہمی تعلقات اور روزمرہ معاملات کی اصلاح پر بھی توجہ ملتی ہے۔ خاندان اس وقت مضبوط ہوتا ہے جب ہر شخص صرف اپنا حق نہ دیکھے بلکہ اپنی ذمہ داری بھی سمجھے۔ تصوف اسی ذمہ داری کے احساس کو مضبوط کرتا ہے۔

نوجوان نسل اور تصوف

آج کی نوجوان نسل ایک ایسے ماحول میں زندہ ہے جہاں اسے بے شمار معلومات ملتی ہیں لیکن توجہ، سکون اور مقصدِ زندگی کا مسئلہ بھی موجود ہے۔ سوشل میڈیا پر دوسروں سے مسلسل موازنہ، فوری شہرت کی خواہش اور ہر وقت مصروف رہنے کا دباؤ نوجوانوں کے رویوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔

تصوف نوجوان کو دنیا سے فرار نہیں سکھاتا بلکہ دنیا کو صحیح مقام پر رکھنے کی تربیت دیتا ہے۔ وہ تعلیم حاصل کرے، پیشہ اختیار کرے، کاروبار کرے اور ترقی کرے، لیکن اپنی کامیابی کو تکبر نہ بننے دے۔ مولانا تھانویؒ کے اصلاحی منہج میں تربیت کا عملی پہلو بہت نمایاں تھا۔ ان کی

تصانیف میں باطن کی اصلاح کو روزمرہ زندگی کے معمولات اور اخلاقی عادات سے جوڑا گیا۔ "تربیت السالک" اسی تربیتی فکر کا ایک اہم ماخذ ہے۔[9]

نوجوانوں کے لیے اس فکر کی اہمیت یہ ہے کہ روحانی تربیت ان کے اندر خود احتسابی، مقصدیت، نظم، صبر اور اخلاقی ذمہ داری پیدا کر سکتی ہے۔

مولانا قاسم نانوتویؒ اور روحانی و علمی تربیت

علمائے دیوبند کی فکری بنیادوں کو سمجھنے کے لیے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا ذکر ضروری ہے۔ وہ ایک بڑے عالم اور دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں، لیکن ان کی شخصیت میں علمی اور روحانی تربیت دونوں پہلو موجود تھے۔ ان کا تعلق حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے روحانی سلوک کی سطح پر بھی تھا۔[10]

یہ بات قابلِ غور ہے کہ دیوبندی علمی روایت کی تشکیل صرف مدرسہ اور کتاب سے نہیں ہوئی بلکہ علم، عمل، تزکیہ اور روحانی تربیت کے امتزاج سے ہوئی۔ اسی وجہ سے اس روایت میں عالم سے یہ توقع رکھی گئی کہ وہ محض معلومات کا حامل نہ ہو بلکہ اپنے کردار سے بھی دین کی نمائندگی کرے۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور اصلاحِ باطن

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی شخصیت علم، فقہ، حدیث اور تصوف کے امتزاج کی مثال پیش کرتی ہے۔ ان کی زندگی میں علمی خدمت کے ساتھ روحانی اصلاح بھی نمایاں رہی۔ ان کے متعلق مرتب کردہ "تذکرۃ الرشید" میں ان کی علمی، روحانی اور اصلاحی خدمات کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔[11]

گنگوہیؒ کی فکر کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ شریعت کے ظاہری احکام اور باطنی اصلاح کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کی عبادت اس کے اخلاق کو متاثر کرے اور اس کی روحانی زندگی اس کے معاملات میں نظر آئے، یہی اصل مقصد ہے۔ اس فکر کی موجودہ دور میں بھی ضرورت ہے، کیونکہ ہمارا بڑا مسئلہ اکثر علم کی کمی نہیں بلکہ علم کے مطابق عمل کی کمی ہوتا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ: تصوف کو معاشرتی اصلاح سے جوڑنے والی شخصیت

علمائے دیوبند کی پوری اصلاحی روایت میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خاص اہمیت یہ ہے کہ انہوں نے تصوف کو عوام کی روزمرہ زندگی کے بہت قریب کر دیا۔ ان کے ہاں اصلاح کا مطلب صرف ذکر کی کثرت نہیں بلکہ عادات کی تبدیلی، معاملات کی درستگی، اخلاق کی تعمیر اور تعلقات کی بہتری بھی ہے۔

ان کی کتاب "آداب معاشرت" اس پہلو کی بہت واضح مثال ہے۔ اس میں معاشرتی زندگی کے اصولوں کو قرآن و حدیث کے ساتھ جوڑتے ہوئے دوسروں کو تکلیف نہ دینے، اچھا برتاؤ کرنے اور معاشرے کی خیر خواہی کو دینی ذمہ داری کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس منہج کی خوبی یہ ہے کہ یہ اصلاح کو عملی بناتا ہے۔ مثلاً غصے کے بارے میں صرف یہ نہیں کہا جاتا کہ غصہ بری چیز ہے بلکہ اس کے اسباب، اس کے نتائج اور اس سے نمٹنے کے طریقے پر توجہ دی جاتی ہے۔ اسی طرح حسد، ریا، حبِ جاہ، تکبر، شہوت اور حرص جیسی باطنی بیماریوں کے ساتھ بھی عملی انداز اختیار کیا جاتا ہے۔

تھانویؒ کے نزدیک شریعت اور طریقت کا تعلق

مولانا تھانویؒ کی پوری فکر میں ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ تصوف شریعت کے تابع رہے۔ ایسی روحانیت جو شریعت سے الگ ہو جائے، ان کی اصلاحی فکر کی نمائندگی نہیں کرتی۔ شریعت اور طریقت" میں یہی بنیادی ربط نمایاں ہے کہ طریقت کا مقصد شریعت سے الگ کوئی نیا راستہ اختیار کرنا نہیں بلکہ شریعت کے مطالبات کو دل اور کردار میں مضبوط کرنا ہے۔ اس طرح تصوف عبادت کی روح اور اخلاق کی تعمیر کا ذریعہ بن جاتا ہے۔[12]

اس تصور کی موجودہ دور میں بہت اہمیت ہے، کیونکہ تصوف کے نام پر کبھی کبھی ایسی چیزیں بھی سامنے آتی ہیں جن کا تعلق اصل اسلامی اخلاق اور شریعت سے کم ہوتا ہے۔ دوسری طرف بعض لوگ تصوف کو سرے سے غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ تھانویؒ کی فکر ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ایک متوازن راستہ پیش کرتی ہے۔

تصوف اور معاشرتی برائیوں کا باہمی تعلق

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تصوف آخر معاشرتی برائیوں کو کیسے ختم کر سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ معاشرتی برائی اکثر فرد کے اندر سے شروع ہوتی ہے۔ رشوت لینے سے پہلے حرص پیدا ہوتی ہے۔ ظلم سے پہلے تکبر یا غصہ پیدا ہوتا ہے۔ غیبت سے پہلے دوسروں کو کمتر سمجھنے کا مزاج پیدا ہوتا ہے۔ دھوکے سے پہلے دنیاوی فائدے کو اخلاق پر ترجیح دینے کی سوچ پیدا ہوتی ہے۔

اگر انسان کے اندر اخلاص، خوفِ خدا، آخرت کی جواب دہی، قناعت، تواضع اور رحم پیدا کر دیا جائے تو بہت سی برائیوں کے بنیادی اسباب کم ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف کو معاشرتی اصلاح کا "اندرونی پہلو" کہا جا سکتا ہے۔ قانون باہر سے اصلاح کرتا ہے، تعلیم عقل کو بہتر بناتی ہے، لیکن تزکیہ دل اور ارادے کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ جب یہ تینوں پہلو ساتھ ہوں تو اصلاح کے امکانات زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔

تصوف اور خود احتسابی

موجودہ دور میں ہر شخص دوسروں کی اصلاح میں مصروف ہے۔ سوشل میڈیا پر ہر شخص تبصرہ نگار ہے، ہر مسئلے پر رائے موجود ہے اور ہر غلطی پر فوری فیصلہ سنایا جاتا ہے۔ لیکن خود احتسابی کا عمل کمزور نظر آتا ہے۔ تصوف انسان کو سب سے پہلے اپنی ذات کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ وہ پوچھتا ہے کہ میں خود کیسا ہوں؟ میری نیت کیا ہے؟ میں دوسروں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا ہوں؟ میرے گھر والے مجھ سے خوش ہیں یا خوف زدہ؟ میرے ملازمین میرے کردار کو کیسے دیکھتے ہیں؟ میرے معاملات میں دیانت کتنی ہے؟ یہ سوالات انسان کے اندر حقیقی تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں۔

خانقاہ اور معاشرتی اصلاح

روایتی طور پر خانقاہ صرف ذکر و عبادت کی جگہ نہیں تھی بلکہ تربیت اور اصلاح کا مرکز بھی تھی۔ لوگ اپنے روحانی مسائل کے ساتھ اپنے اخلاقی اور معاشرتی مسائل بھی لے کر آتے تھے۔ مولانا تھانویؒ کی خانقاہی زندگی میں یہی تربیتی پہلو نمایاں تھا۔ ان کی تصانیف اور مجالس کا بڑا حصہ لوگوں کے عملی مسائل، عادات اور باطن کی بیماریوں کے علاج سے متعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اصلاحی فکر آج بھی مطالعے کا موضوع ہے اور 2026ء کی ایک جدید علمی تحقیق نے بھی ان کے دعوتی اور تربیتی منہج میں تعلیم، تزکیہ، صحبت، اخلاق اور حقوق العباد کے باہمی تعلق کو نمایاں کیا ہے۔ اس تناظر میں موجودہ دور میں خانقاہ یا روحانی مرکز کی اہمیت صرف اس وقت رہ سکتی ہے جب وہ واقعی اخلاقی تربیت، علمی رہنمائی اور معاشرتی خدمت کا مرکز بنے۔

دورِ حاضر میں تصوف کی ضرورت

دورِ حاضر میں تصوف کی ضرورت کو چند بنیادی پہلوؤں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے انسان کی اندرونی بے چینی ہے۔ آسائشیں بڑھنے کے باوجود بہت سے لوگ سکون کی تلاش میں ہیں۔ دوسرا مسئلہ مادیت اور دکھاوا ہے۔ تیسرا مسئلہ اخلاقی حدود کی کمزوری ہے۔ چوتھا مسئلہ خاندانی تعلقات میں برداشت کی کمی ہے۔ پانچواں مسئلہ سوشل میڈیا کے باعث غصے، نفرت اور کردار کشی کا پھیلاؤ ہے۔ ان تمام مسائل میں ایک مشترک چیز نظر آتی ہے: انسان کے اندر کی تربیت کی ضرورت۔ تصوف اگر قرآن و سنت کے تابع رہتے ہوئے اخلاص، صبر، قناعت، شکر، تواضع، عدل، رحم، عفو اور حقوق العباد کی تربیت دیتا ہے تو یہ موجودہ معاشرے میں نہایت مفید کردار ادا کر سکتا ہے۔

موجودہ دور کے لیے تھانویؒ کی اصلاحی فکر سے رہنمائی

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی فکر سے موجودہ دور کے لیے ایک اہم سبق یہ ملتا ہے کہ اصلاح ہمیشہ عملی ہونی چاہیے۔ انسان کو یہ بتانا کافی نہیں کہ تکبر برا ہے؛ اسے یہ بھی سیکھنا ہوگا کہ تکبر کی علامات کیا ہیں اور اسے اپنے اندر کیسے پہچانا جائے۔ صرف حسد کی مذمت کافی نہیں؛ انسان کو اپنے دل میں دوسرے کی کامیابی برداشت کرنے کی تربیت بھی حاصل کرنی ہوگی۔

اسی طرح صرف رشوت کی حرمت بیان کرنا کافی نہیں؛ حلال رزق، قناعت اور آخرت کی جواب دہی کا شعور بھی پیدا کرنا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ تھانویؒ کا تربیتی منہج آج کے دور میں بھی قابلِ توجہ ہے۔ وہ انسان کو صرف "اچھا مسلمان" بننے کی دعوت نہیں دیتے بلکہ اس اچھائی کو گھر، بازار، مسجد، مدرسہ، دفتر اور معاشرے میں دکھانے کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

ایک متوازن تصوف کی ضرورت

آج تصوف کے بارے میں دو انتہائیں پائی جاتی ہیں۔ ایک طرف بعض لوگ تصوف کو ہر دینی مسئلے کا مکمل حل سمجھ لیتے ہیں، جبکہ دوسری طرف کچھ لوگ تصوف کو غیر ضروری قرار دے دیتے ہیں۔ متوازن علمی موقف یہ ہے کہ اسلام کی بنیادی تعلیمات قرآن و سنت پر قائم ہیں، اور تصوف کا درست مفہوم ان تعلیمات کے اندر تزکیہ، احسان اور اخلاقی تربیت کی کوشش ہے۔ اسی طرح ہر وہ رسم یا عمل جو تصوف کے نام سے رائج ہو اسے بلا تحقیق دین کا لازمی حصہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اصل معیار شریعت، سنت، اخلاق اور انسانی اصلاح ہے۔ علمائے دیوبند کی اصلاحی روایت اسی توازن کی مثال پیش کرتی ہے: حدیث و فقہ بھی، تزکیہ بھی؛ تعلیم بھی، تربیت بھی؛ عبادت بھی، معاملات بھی؛ اور اللہ سے تعلق بھی، حقوق العباد بھی۔

خلاصۂ تحقیق

دورِ حاضر میں تصوف کی ضرورت اس لیے محسوس ہوتی ہے کہ جدید انسان کے پاس معلومات اور سہولتیں تو بہت ہیں لیکن اخلاقی تربیت اور باطنی سکون کا مسئلہ اب بھی موجود ہے۔ معاشرتی برائیوں کا تعلق اکثر انسان کے اندر موجود نفسانی خواہشات اور اخلاقی کمزوریوں سے ہوتا ہے، اس لیے ان کے خاتمے کے لیے صرف بیرونی اصلاح کافی نہیں۔

علمائے دیوبند کی اصلاحی روایت میں تصوف کا اصل مقصد یہی ہے کہ انسان کے اندر تقویٰ، اخلاص، احسان اور اخلاق پیدا کیے جائیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس فکر کو بڑی عملی صورت دی۔ ان کے ہاں تصوف عبادت، اخلاق، معاشرت اور حقوق العباد کے باہمی تعلق کا نام ہے۔

اگر موجودہ دور میں تصوف کو اسی متوازن اور عملی مفہوم کے ساتھ سمجھا جائے تو یہ انسان کے اندر سے بہت سی معاشرتی برائیوں کے علاج میں مددگار ہو سکتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا پیغام یہی ہے کہ معاشرے کی اصلاح دوسروں سے شروع کرنے کے بجائے اپنی ذات سے شروع کی جائے۔ جب انسان اپنے دل کو حسد سے، اپنی زبان کو بدکلامی سے، اپنے معاملات کو خیانت سے اور اپنے رویے کو تکبر سے پاک کرنے کی کوشش کرے گا تو اس کی اصلاح کا اثر گھر اور معاشرے تک ضرور پہنچے گا۔

نتائج

اس مطالعے سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

1. تصوف کا بنیادی مقصد انسان کے باطن، نیت اور اخلاق کی اصلاح ہے، اور یہ اسلامی تعلیمات کے تزکیۂ نفس کے تصور سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔
2. موجودہ دور کی بہت سی معاشرتی برائیاں صرف بیرونی نظام کی خرابی کا نتیجہ نہیں بلکہ حرص، حسد، تکبر، غصہ، خود غرضی اور حب جاہ جیسی باطنی بیماریوں سے بھی پیدا ہوتی ہیں۔
3. علمائے دیوبند کی اصلاحی روایت میں تصوف کو شریعت سے الگ نہیں سمجھا گیا بلکہ شریعت کے باطنی اور اخلاقی اثرات کو مضبوط کرنے کے ایک ذریعہ کے طور پر دیکھا گیا۔
4. حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی روحانی و علمی روایت نے بعد میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی اصلاحی فکر کے لیے مضبوط بنیاد فراہم کی۔
5. مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تصوف کو فرد کے باطن سے نکال کر روزمرہ زندگی، اخلاق، معاشرت اور حقوق العباد سے جوڑنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔
6. تھانویؒ کے ہاں تزکیۂ نفس کا مقصد دنیا سے فرار نہیں بلکہ دنیا میں رہتے ہوئے شریعت، اخلاق اور ذمہ داری کے ساتھ زندگی گزارنا ہے۔
7. "آداب معاشرت"، "شریعت و طریقت"، "تربیت السالک" اور دوسری اصلاحی تصانیف اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ ان کے ہاں روحانی تربیت اور معاشرتی اصلاح ایک دوسرے سے جدا نہیں تھے۔

8. تصوف کے ذریعے اخلاص، قناعت، تواضع، صبر، شکر، عفو، رحم اور خود احتسابی جیسی صفات پیدا کی جاسکتی ہیں، جو معاشرتی برائیوں کے بنیادی اسباب کو کم کرنے میں مدد دیتی ہیں۔
9. معاشرتی اصلاح کے لیے قانون اور اداروں کے ساتھ انسان کے اندر اخلاقی نگرانی پیدا کرنا بھی ضروری ہے، اور یہی تزکیہ و احسان کی تعلیم کا ایک اہم مقصد ہے۔
10. دورِ حاضر میں تصوف کی ضرورت اس وقت سب سے زیادہ ہے جب اسے قرآن و سنت، شریعت، اخلاق اور حقوق العباد کے ساتھ مربوط کر کے سمجھا جائے۔
11. مولانا اشرف علی تھانویؒ کی اصلاحی فکر موجودہ معاشرے کے لیے اس لحاظ سے اہم ہے کہ وہ انسان کی خرابی کو صرف ظاہری سطح پر نہیں دیکھتی بلکہ اس کی جڑوں تک پہنچنے اور باطن کی اصلاح کی کوشش کرتی ہے۔
12. حقیقی روحانی تربیت کا آخری نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب، اپنے نفس پر زیادہ قابو رکھنے والا اور مخلوق کے لیے زیادہ خیر خواہ بنے۔ یہی وہ راستہ ہے جس سے تصوف فرد کی اصلاح سے آگے بڑھ کر معاشرتی اصلاح کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1. القرآن الکریم، سورۃ الشمس، 91:7-10۔
2. محمد بن عبد الرحمن السخاوي، یا دیگر مرتب مصادر کے برخلاف، یہاں براہِ راست مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مکتوبات کے مطالعے کے لیے: "Traversing the Path of Suluk"، Deoband.org، جس میں اکابرِ دیوبند کے ہاں تصوف اور روحانی اصلاح کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔
3. عبد الحی الحسنی، "The Great and Splendid Gnostic: Shaykh Imdad Allah al-Faruqi al-Thanawi"؛ نیز محمد قاسم نانوتویؒ کی سوانحی معلومات میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے ان کے روحانی تعلق کا ذکر۔
4. اشرف علی تھانوی، امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق، مکتبہ برہان، دہلی، 1981ء۔
5. Khubaib Ahmad & Tahir Saddique, "The Methodological Inseparability of Da'wah and Tarbiyah Issues in the Reformist Project of Sheikh Ashraf Ali Thanwi," Pakistan Journal of Qur'ānic Studies, Vol. 5, No. 1, 2026، ص33–52۔

6. اشرف علی تھانوی، آداب معاشرت، علمی کتاب خانہ، دہلی، 1953ء۔

7. محمد عاشق الٰہی میرٹھی، تذکرۃ الرشید، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی سوانح و اصلاحی خدمات۔

8. محمد زکریا کاندھلوی، "The Reality of Tasawwuf (Part Two)"، "جس میں مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خطوط سے سلوک کے مقصد اور احسان کے باہمی تعلق کی وضاحت نقل کی گئی ہے۔

9. اشرف علی تھانوی، تربیت السالک، جلد اول، مکتبہ زکریا، کراچی، 1982ء۔

10. عبدالحی الحسنی، "The Proof of Islam: Shaykh Qasim al-Nanotwi"، محمد قاسم نانوتویؒ کے علمی و روحانی تعلقات کے حوالے سے۔

11. عاشق الٰہی میرٹھی، تذکرۃ الرشید، جلد اول و دوم، ناظم کتب خانہ یحیوی، سہارنپور، 1977ء۔

12. اشرف علی تھانوی، اشرف الطریقۃ فی الشریعۃ والحقیقۃ، المعروف بہ شریعت اور طریقت، مرکزی ادارہ تبلیغ دینیات، دہلی، 1956ء۔